اسلامی نظریہ حیات(۱)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر☆

اسلامی نظریہ حیات ہی وہ واحد نظریہ ہے کہ جس میں انسانی زندگی کی ابتداء وانتہاء (Alpha and Omega)‘ مقصدزندگی‘ طرزِ حیات‘ تاریخ‘ لسانیات (Linguistics)‘ علمیت (Epistemology) اور اخلاقیات وغیرہ کے بارے میں اس قدر تفصیلی اور واقعی معلومات موجود ہیں کہ اس پر "Theory of Everything" کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی ضابطہ حیات کی روشنی میں اسلام کا عالمی نقطہ نظر (world view) اصولی انداز میں اس طرح پیش کر دیا جائے کہ یہ دین کی روایتی فکر کا ایک جامع اور مختصر بیانیہ (narrative) بن جائے۔

اعتزال‘ جدیدیت‘ مابعد جدیدیت‘ دہریت‘ خوارجیت اور انتہا پسندی کے عوامل کے نتیجے میں پچھلے دس سالوں میں دورِ جدید کے علمی وفکری فتنوں کو گہرائی میں پڑھنے سننے کا موقع ملا کہ جس سے عقیدہ کا جدید اسلوب میں ایک ایسا مختصر اور جامع متن تیار کرنے کا جذبہ پیدا ہوا کہ جس میں ان فتنوں کا بھرپور استدلالی جواب موجود ہو۔ معلوم نہیں یہ مقصد کس حد تک پورا ہو پایا ہے؟ لیکن مصنف نے اس کے لیے محنت ضرور کی ہے کہ جس کا احساس اس مضمون کے مطالعے کے بعد ان لوگوں کو ضرور ہوگا جو ان فتنوں اور ان کے پیدا ہونے والے اثرات سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اس بیانیے کا ہر ہر جملہ ایک ایسی فکر کا حامل ہے کہ جس میں کسی فتنے کا ردموجود ہے یا کسی اہم سوال کا جواب پوشیدہ ہے۔ اور متن کا ہر جملہ دوسرے کے ساتھ نہ صرف لفظاً ومعناً مربوط ہے بلکہ اس کے لیے ایک دلیل بھی ہے۔ بیانیے کا متن اگرچہ مختصر ہے لیکن حواشی میں بیانیہ کی دلیل اور استدلال تفصیل کے ساتھ کتاب وسنت سے نقل کر دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر اہلِ علم کی آراء بھی منقول ہیں لیکن ان کا عربی سے اردو ترجمہ نہیں کیا گیا‘ نہ ہی دلالت کی نوعیت کو واضح کیا گیا ہے‘ جبکہ بعض مقامات پر محض اشارات کر دیے گئے ہیں تاکہ اہلیت نہ رکھنے والے افراد بحث کو اس کے علمی معیار سے نیچے نہ لا سکیں۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب نے اپنے ہر علم‘ خواہ وہ سائنسی ہو یا سماجی‘ تاریخی ہو یا لسانی‘ کو نظریہ ارتقاء (theory of evolution) کی روشنی میں مرتب کر کے دکھا دیا ہے‘ جبکہ اہل مشرق پر یہ فرض ہے کہ وہ ہر علم کو‘ چاہے وہ تاریخ ہو یا سائنس‘ نظریہ تخلیق کی روشنی میں مرتب کر کے دکھا دیں۔ اور جب تک ہمارے محققین فلسفہ‘ سائیکالوجی‘ بیالوجی‘ نظریاتی فزکس‘ عمرانیات‘ لسانیات اور تاریخ کے مضامین میں نظریہ تخلیق (creationism)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، کامساٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور۔ ای میل: mzubair@ciitlahore.edu.pk

کی روشنی میں بحث وتحقیق کی بنیاد نہیں رکھ دیتے‘ اس وقت تک دنیاوی علوم سے مذہب کا مقدمہ ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔

مابعد جدیدیت (postmodernism) کی یہ خوبی ہے کہ اس نے فلسفہ‘ ادب‘ معاشیات‘ لسانیات اور تاریخ وغیرہ کو اپنے نقطہ نظر سے نہ صرف نئے سرے سے بیان کر دیا بلکہ اپنا میوزک اور آرٹ بھی پیدا کر کے دکھا دیا‘ جبکہ اہل مذہب کو تو نئے سرے سے کچھ بھی تخلیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف پہلے سے موجود کام کو مرتب کرنا ہے۔ مثلاً نظریہ تخلیق کی روشنی میں اگر آپ نے انسان کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہے تو ''تاریخ الرسل والملوك'' اور ''ديوان المبتدأ والخبر'' کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اگر نظریہ تخلیق ہی کی روشنی میں معاشیات پر تحقیق کرنی ہے تو ''الأموال'' اور ''الخراج'' کو دیکھ لیں۔ خوارزمی نے وراثت کے مسائل حل کرنے کے لیے الجبرا (Algebra) ایجاد کیا اور اس بارے میں اس کی کتاب **''الكتاب المختصر في حساب الجبر والمقابلة''** کا آخری باب دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کیا ''خطاطی'' (Calligraphy) آرٹ میں اور ''مقامات'' (Quranic Rhythms) میوزک کے بالمقابل ایسے اسلامی فنون نہیں ہیں جو انسان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو حقیقی سکون بخشیں؟

اردو اور انگریزی حواشی کو بعینہٖ نقل کیا گیا ہے جبکہ عربی حواشی کی طوالت کی وجہ سے محض حوالہ کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔ میں اپنی یونیورسٹی کے ان جمیع ڈاکٹر صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں‘ خاص طور فزکس اور ریاضی کے‘ کہ جنہوں نے اس کتاب میں شامل بعض موضوعات پر گفت وشنید کے لیے وقت نکالا۔

خالق اور مخلوق دونوں حقیقت ہیں[۲]۔ دہریت (atheism) علماً اندھا ایمان[۳] (blind faith) اور منہجاً سوفسطائیت[۴] (sophism) ہے‘ جبکہ ''تنزلات''[۵] جہلِ مرکب[۶] اور بدعت[۷] ہیں۔

(۱) مبدأ اور معاد (Entry and Exit)

انسان کے مبدأ اور معاد کے بارے میں سب سے جامع اور منطقی جواب مذہب کے پاس ہے[۸]۔ ازل سے خالق تھا اور اس کے ساتھ کچھ بھی نہ تھا‘ یہاں تک کہ اُس نے سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا اور اس کے بعد اس پر اپنا عرش بنایا[۹]۔ پانی اور عرش کے بعد سب سے پہلے جسے خالق نے پیدا کیا‘ وہ قلم ہے۔ اور اسے پیدا کرنے کے بعد خالق نے اسے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا‘ اس کے لکھنے کا حکم دیا۔ اور اس لکھے ہوئے کو ہم تقدیر کے نام سے جانتے ہیں[۱۰]۔ اس کے بعد خالق نے زمین‘ پہاڑوں‘ سات آسمانوں‘ ستاروں اور دیگر مخلوقات کو چھ دنوں میں پیدا کیا[۱۱] اور اپنے عرش پر مستوی ہوا[۱۲]۔ خالق اور مخلوق کا باہمی تعلق اصلاً عبد ومعبود کا ہے نہ کہ وہم وخیال یا عکس وظلال کا۔

اس دنیا میں انسان کا وجود کسی اتفاق (chance) یا حادثے (accident) کا نتیجہ نہیں بلکہ خالق وحدہ لاشریک کی ایک بامقصد تخلیق کا ظہور ہے[۱۴]۔ اور انسان کی پیدائش کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت

اور بہترین عمل کے ذریعے اپنے خالق کا شکر ادا کرے[۱۵]۔ کائنات کے خالق نے مادہ نور سے فرشتوں‘ آگ سے جنات اور مٹی سے انسان کی تخلیق کی[۱۶]۔ اُس نے فرشتوں اور جنات کی تخلیق کے بعد ایک تیسری مخلوق انسان کو پیدا کرنے اور اسے زمین میں خلیفہ[۱۷] اور مسجودِ ملائک بنانے کا اعلان کیا[۱۸]۔ اور زمین کی مٹھی بھر مٹی[۱۹] کے گارے کا جوہر[۲۰] لے کر اپنے دونوں ہاتھوں سے[۲۱] پہلے انسان [آدم] کا پُتلا (statue) بنایا اور اسے جنت میں رکھا[۲۲]۔ اس کی نوک پلک سنوارنے کے بعد اس میں اپنی روح پھونکی[۲۳] اسے خلیفہ ہونے کے مقام پر سرفراز کرنے کا اعلان فرمایا[۲۴] اور مسجودِ ملائک ٹھہرایا[۲۵]۔ فرشتوں نے سجدہ کر کے آدم کے عالی مقام کو قبول کیا جبکہ جنات میں سے ابلیس نے آدم کے مرتبے سے حسد کیا اور اللہ کے دربار میں تکبر کا اظہار کرتے ہوئے نہ صرف سجدہ کرنے سے انکار کر دیا بلکہ آدم اور ان کی ذریت کے خلاف ابدی دشمنی کا بھی اعلان کر دیا۔[۲۶]

خالق نے آدم علیہ السلام کی پسلی ہی سے ان کے لیے جنس مخالف حوا کا جوڑا پیدا کیا اور پھر اس زمین میں ان دونوں سے کثیر تعداد میں نسل انسانی کو پھیلا دیا[۲۷]۔ مخلوقات کی پیدائش کے بعد ان کی افزائش نسل کے لیے خالق نے ہر جاندار شے میں اصل ’’پانی‘‘ کو بنایا[۲۸]۔ شروع میں آدم اور حوا دونوں کو آسمانوں کی جنت میں رکھا گیا[۲۹] جبکہ بعد ازاں اسی جنت کے حصول کے لیے امتحان کی غرض سے متعین مدت کے لیے زمین پر اتارا گیا[۳۰] اور ایک ’’آسمانی ضابطہ حیات‘‘ عطا کیا گیا کہ جس کے مطابق زندگی گزارنے کو دنیاوی امتحان میں کامیابی کی شرط لازم قرار دیا گیا[۳۱]۔ دنیا کے امتحان میں کامیابی اور ناکامی کے اعلان کے لیے آخرت کا دن مقرر کیا گیا اور کامیاب لوگوں کے لیے ہمیشہ کی جنت کا وعدہ اور ناکام لوگوں کے لیے جہنم کی وعید سنائی گئی۔[۳۲]

قدیم انسان کی تاریخ پانچ ادوار میں منقسم ہے[۳۳]۔ پہلا دور آدم سے نوح‘ دوسرا نوح سے ابراہیم‘ تیسرا ابراہیم سے موسیٰ‘ چوتھا موسیٰ سے عیسیٰ (علیہم السلام) اور پانچواں عیسیٰؑ سے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے[۳۴]۔ آدم کو آسمانوں کی جنت[۳۵] سے ’’ارضِ ہند‘‘ میں اتارا گیا[۳۶] اور انہیں صنعت[۳۷] اور زبان[۳۸] دونوں سکھا کر دنیا میں بھیجا گیا۔ میدانِ عرفات میں ’’عہدِ الست‘‘ ہوا[۳۹] اور آدم کی اولاد ’’مشرق‘‘ میں ’’شام‘‘ (Mesopotemia) میں آباد ہوئی۔[۴۰]

آدم اور نوح (علیہما السلام) کے مابین دس نسلیں[۴۱] ہیں جو ’’توحید‘‘ پر ایمان رکھنے والی تھیں[۴۲]۔ آدمؑ کی اولاد میں پہلی مرتبہ ’’شرک‘‘ کا ظہور نوحؑ کے زمانے میں ہوا[۴۳] جبکہ وہ ’’شام‘‘ (Mesopotemia) کے علاقے میں آباد تھے۔ قومِ نوحؑ کے شرک‘ سرکشی اور بغاوت کے نتیجے میں ’’طوفانِ نوح‘‘ کے ذریعے نسل انسانی ہلاک ہوئی اور اہل کشتی میں سے صرف نوحؑ ہی کی نسل آگے جاری ہوئی[۴۵]۔ موجودہ نسل انسانی نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سام‘ حام اور یافث کی اولاد ہے[۴۶]۔ عرب سام‘ حبشی حام اور اہل روم یافث کی اولاد ہیں[۴۷]۔

نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کے مابین بھی دس نسلیں ہی ہیں[۴۸]۔ ’’قومِ نوح‘‘ کی ہلاکت کے بعد ’’قومِ عاد‘‘ ان کی جانشین بنی[۴۹]۔ ’’قومِ عاد‘‘ کی ہلاکت کے بعد ’’قومِ ثمود‘‘ ان کی جانشین ٹھہری[۵۰]۔ ’’قومِ ثمود‘‘ کی ہلاکت کے بعد ’’قومِ ابراہیم‘‘، ’’قومِ لوط‘‘ اور ’’قومِ شعیب‘‘ ان کی جانشین قرار پائیں[۵۱]۔ ابراہیم علیہ السلام

کی بعثت کے بعد نبوت ان ہی کی ذریت میں رکھ دی گئی (۵۲)۔ ابراہیم سے موسیٰ اور موسیٰ سے عیسیٰ (علیہم السلام) تک ''نبوت اور کتاب'' بنو اسحاق کے پاس رہی (۵۳) اور محمد رسول اللہ ﷺ سے بنو اسماعیل کو منتقل ہوگئی (۵۴)۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے جدید انسان (modern age) کی تاریخ کی ابتداء ہوئی۔

یہ اس دنیا کی ابتداء اور انتہاء ہے۔ پس سائنسی' انسانی اور عمرانی علوم (Humanities and Social Sciences) میں ہر وہ نقطہ نظر (world view) کہ جس کی بنیاد اصولِ ثلاثہ ''توحید''، ''رسالت'' اور ''آخرت'' نہ ہو' ظلمت ہے (۵۵) اور ہر وہ علم کہ جس کا معلوم ''اصولِ ثلاثہ'' کا انکار ہو' جاہلیت ہے (۵۶)۔

(۲) روایت اور فہم (Tradition and Hermeneutic)

خالق کی طرف سے دنیاوی زندگی گزارنے کے لیے نازل کیے گئے ابدی اور آسمانی ضابطہ حیات کو ''دین اسلام'' کا نام دیا گیا (۵۷) اور اس کے علاوہ کسی بھی ضابطہ حیات کو قبول کرنے یا اس کے مطابق زندگی گزارنے کا انکار کر دیا گیا (۵۸)۔ ہر قوم کی طرف نبی اور رسول بھیجے گئے (۵۹)۔ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک تمام انبیاء کا ضابطہ حیات ایک ہی تھا اور وہ ''اسلام'' ہے' اگرچہ اس ضابطہ حیات کی تشریحات اور توضیحات کہ جسے ''شریعت'' کہتے ہیں' احوال وظروف میں تبدیلی کی وجہ سے مختلف ادوار اور اقوام میں متنوع رہی ہیں (۶۰)۔ شریعت یعنی ضابطہ حیات کی تفصیلات اور جزئیات (code of life) کی طرح منہاج یعنی شریعت کو فرد ومعاشرے میں جاری وساری کرنے کا طریق کار (way of life) بھی ہر قوم کے لیے مختلف رہا ہے (۶۱)۔ محمد ﷺ کی بعثت کے بعد قیامت تک کے لیے اللہ کا دین اسلام' شریعت محمدی اور منہاج دعوت وجہاد ہے (۶۲)۔ اور اب ان تینوں پر عرفاً ''اسلام'' کے لفظ کا اطلاق درست ہے۔

اس دین کے دو پہلو ''روایت'' اور ''فہم'' ہیں۔ جہاں تک ''دین کی روایت'' کی بحث ہے (۶۳) تو حصولِ علم کے ذرائع (means of knowledge) میں سے مستند ترین اور جامع ترین ذریعہ ''خبر'' ہے اور ''وحی'' خبر ہی کی ایک قسم ہے (۶۴)۔ اگرچہ سابقہ آسمانی کتب میں آج بھی بعض مقامات پر اللہ کا حکم موجود ہے (۶۵) لیکن چونکہ ان قوموں نے اپنی الہامی کتب اور نبیوں کی تعلیمات میں اخفاء اور اضافے (۶۶) کے رستے لفظی ومعنوی تحریفات کر لی تھیں (۶۷) لہٰذا اب قیامت تک کے لیے' انسانوں کی اخروی نجات کی لازمی شرط' دینِ اسلام کو جاننے کا واحد محفوظ ذریعہ خالق کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ ہیں (۶۸)۔ محمد ﷺ کی بعثت کے بعد گزشتہ پیغمبروں کی اقوام کے لیے آپ ﷺ اور قرآن مجید کی اتباع اُخروی نجات کی لازمی شرط ہے (۶۹) اور اللہ کے دین کو بیان کرنے میں آخری کتاب قرآن مجید سابقہ جمیع آسمانی صحائف پر نہ صرف حاکم ہے (۷۰) بلکہ ان کی ناسخ بھی ہے (۷۱)۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے یہ دین' قرآن مجید اور سنت نبوی دو صورتوں میں' بذریعہ خبر اس اُمت کو منتقل ہوا ہے اور ''خبر صحیح'' (۷۲) کے ذریعے اس دین کا محمد رسول اللہ ﷺ سے امت کے کسی فرد تک پہنچ جانا اس پر حجت قائم ہو جانے میں کافی ہے (۷۳)۔ قرآن مجید کی خبر کا ثبوت ''اصولِ قراءات'' حدیث کا ''اصولِ حدیث''، تفسیری اقوال کا ''اصولِ تفسیر''، سیرت کا ''اصولِ سیرت'' اور تاریخ کا ''اصولِ تاریخ'' کی

روشنی میں طے ہوگا۔ (۷۴)

اور رہی بات ''دین کے فہم'' کی تو لفظ و معنی کا تعلق لازم و ملزوم کا ہے' لہٰذا اس سے زیادہ لغو بات کوئی نہیں ہے کہ لفظ کا کوئی معنی نہیں ہوتا (۷۵)۔ زبان ابتداء میں ''توقیف'' (۷۶) اور استعمال میں ''وضع'' ہے (۷۷)۔ اور قرآن مجید اور سنت نبوی دونوں وحی الٰہی ہیں اور دین اسلام کے بنیادی مصادر ہیں (۷۸) اور عقیدہ وعمل یا حلال وحرام کے بیان میں ان دونوں سے ایسی حجت قائم ہوتی ہے کہ جس کی بنیاد پر انسان آخرت میں مسئول قرار پائے (۷۹)۔ قرآن وسنت کا باہمی تعلق لفظ و معنی کا ہے (۸۰)۔ قرآن مجید اللہ کے الفاظ ہیں جبکہ سنت منشائے متکلم کے مطابق ان کا بیان ہے (۸۱)۔ قرآن مجید میں الفاظ تلقی وتلاوت (۸۲) جبکہ سنت نبوی میں معنی تحمل واداء (۸۳) کی صورت میں' قراءات اور حدیث کی اصطلاحات کے ساتھ' محمدٌ رسول اللہ ﷺ سے ہم تک نسل در نسل منتقل ہوا ہے۔ قرآن مجید روایت باللفظ ہے جبکہ حدیث کہیں روایت باللفظ اور کہیں روایت بالمعنی ہے (۸۴)۔ قرآن مجید یا حدیث نبوی کے فہم میں سلف صالحین کا منہج استدلال حجت (binding) ہے (۸۵) اور اگر نص کے کسی معنی پر مسلمان اہلِ علم کا اتفاق ہو جائے تو اس سے اختلاف گمراہی کا رستہ ہے (۸۶)۔ اجماع اور قیاس مظہر حکم ہیں نہ کہ مثبت شریعت (۸۷)۔ کلام میں اصل حقیقت ہے اور مجاز کے لیے قرینہ چاہیے (۸۸)۔ کلام کبھی محکم ہوتا ہے اور کبھی متشابہہ (۸۹) اور اس کی اپنے معنی پر دلالت کہیں قطعی ہے اور کہیں ظنی (۹۰)۔ نبی کریم ﷺ کی تفسیر اور اجتہاد دونوں حجت ہیں (۹۱) جبکہ مفسرِ صحابہ کی ''درایت تفسیری'' حجت ہے (۹۲) جبکہ ''درایت اجتہادی'' حجت نہیں (۹۳)۔ اور فقہاءِ صحابہ کا اجتہاد اور فتویٰ معتبر ہے (۹۴)۔ خیر القرون میں ہی کتاب وسنت کے فہم کے دو اجتہادی مناہج دو مکاتب فکر' اہل الاثر اور اہل الرائے' کی صورت میں حجاز اور عراق میں وجود میں آئے (۹۵)۔ اہل الاثر کی ریاست امام مالک رحمہ اللہ اور اہل الرائے کی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حصے میں آئی (۹۶)۔ اہل الاثر سے مالکی' شافعی' حنبلی اور ظاہری مکاتب فکر جبکہ اہل الرائے سے حنفی مکتبہ فکر کی ابتداء پڑی (۹۷)۔ اور عصر حاضر کے حالات وتقاضوں کے مطابق دین کی تعبیر وتشریح کے بیان میں کسی علمی روایت سے تمسک ضروری ہے (۹۸) ورنہ تو ہر اس تعبیر دین یا بیانیے کی مثال ایک کٹی پتنگ کی سی ہوگی کہ جس کی سند دو چار واسطوں کے بعد منقطع ہو جاتی ہو (۹۹)۔ علماء کے لیے ''اجتہاد'' (۱۰۰) جبکہ عوام کے لیے ''اتباع'' (۱۰۱) واجب ہے۔ (۱۰۲)

(۳) علم اور قوت (Power and Knowledge)

علم' توحید کی معرفت ہے (۱۰۳) اور جس کا نتیجہ توحید کا انکار ہو' وہ علم نہیں جہالت ہے (۱۰۴)۔ پیغمبروں کی بعثت کا مقصد خالق کے دیے ہوئے ضابطہ حیات کی نہ صرف تبلیغ تھی کہ فرد اپنے خالق کی بندگی اختیار کرے' طاغوت سے اجتناب کرے (۱۰۵) اور اس پر آخرت میں اس بارے مسئول (accountable) ہونے کے باب میں حجت قائم ہو (۱۰۶) بلکہ اس کا نفاذ بھی تھا تاکہ معاشرے سے ظلم کا خاتمہ ہو اور اس میں عدل کا نظام قائم ہو (۱۰۷)۔ لہٰذا دلیل اور قوت دونوں صورتوں میں پیغمبروں کا غلبہ مقصود رہا ہے۔ (۱۰۸)

اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کے دو مقاصد تھے: تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب وسنت کے ذریعے فرد کا

تزکیہ نفس (۱۰۹) اور جہاد و قتال کے ذریعے بقیہ جمیع ادیان پر دین اسلام کا غلبہ (۱۱۰)۔ اللہ کے رسول ﷺ کی علمی وراثت' علماء (۱۱۱) اور خلافت' امراء کو منتقل ہوئی (۱۱۲)۔ اجتہاد اور جہاد دین کی دو بنیادی اصطلاحات ہیں اور اجتہاد کا مطلوب دلیل میں اسلام کا غلبہ (۱۱۳) ہے جبکہ جہاد کا مقصود قوت میں اسلام کو غالب کرنا ہے۔ (۱۱۴)

اور دین کی حفاظت اور فروغ کے دو ذرائع ہیں: علم (۱۱۵) اور قوت (۱۱۶)۔ خالق نے علم کے ذریعے دین کی حفاظت فرمائی (۱۱۷) اور قوت کے ذریعے اہلِ دین کی (۱۱۸)۔ دین کے فروغ کا منہج دعوت و جہاد ہے اور یہ دونوں قیامت تک جاری رہیں گے (۱۱۹)۔ اہلِ دین مغلوب ہوں تو دعوت وتبلیغ اصل منہج ہے (۱۲۰) اور اگر غالب ہوں تو مسلم معاشرے میں پیدا شدہ بگاڑ کی اصلاح کے لیے ہر مؤمن سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تقاضا ہے (۱۲۱) جبکہ غیر مسلم معاشروں کو مغلوب ومفتوح کرنے کے لیے جہاد و قتال کا' تاکہ اس کے نتیجے میں مخلوق کا مخلوق پر ظلم ختم ہو اور خالق کا عدل قائم ہو (۱۲۲)۔ معروف وہ ہے کہ جس کا شارع نے مطالبہ کیا ہو اور منکر وہ ہے کہ جس سے شارع نے منع کیا ہو (۱۲۳)۔ مسلمانوں کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے (۱۲۴) جبکہ جہاد غیر مسلموں سے ہے' لہٰذا نہ تو مسلمانوں کی باہمی لڑائی جہاد ہے (۱۲۵) اور نہ ہی مسلمان حکمران کے خلاف خروج جائز ہے (۱۲۶)۔ مسلمانوں کا باہمی علمی وسیاسی افتراق وانتشار مذموم جبکہ اتفاق واتحاد مطلوب ہے' لہٰذا اجماع کے حصول اور ریاست ہائے متحدہ اسلامی کے قیام کے جدوجہد دین کا بنیادی تقاضا ہے۔ (۱۲۷)

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی اور آسمانوں سے نزول کے بعد اس کرۂ ارضی پر جب نسل انسانی کا آغاز ہوا (۱۲۸) تو سب انسان ایک ہی ضابطہ حیات اسلام کے پیرو تھے' جبکہ بعد ازاں اپنی خواہش نفس اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر بعض انسانوں نے خالق کے دین سے اختلاف کا رستہ اختیار کیا (۱۲۹)۔ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں جب کسی مسئلے میں باہمی اختلاف ہوا اور ایک نے غصے میں آ کر دوسرے کو قتل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو مقتول نے قتل کے فعل کو نہ صرف گناہ بلکہ جہنم میں داخلے کا سبب بھی قرار دیا (۱۳۰) کہ جس سے سورۃ البقرۃ کی آیت مبارکہ (۱۳۱) میں معہود ضابطہ حیات کی موجودگی اور اس سے انحراف کے نقطہ آغاز کا علم ہوتا ہے۔ (۱۳۲)

پس خالق نے اپنے ابدی ضابطہ حیات کی حفاظت اور فروغ کے لیے انبیاء ورسل کی بعثت اور آسمانی صحف وکتب کے نزول کا سلسلہ جاری فرمایا کہ جس کے دو مقاصد تھے: ایک مقصد تو انذار وتبشیر اور دعوت وتبلیغ کے رستے انسانوں کو خالق کے ضابطہ حیات کے بارے آگاہ کرنا اور دوسرا انسانوں کے باہمی اختلافات میں خالق کے حکم کے مطابق فیصلہ فرماتے ہوئے اس کے ابدی دین کو انسانی معاشروں میں جاری وساری کرنا (۱۳۳)۔ حضرت آدم علیہ السلام اسی معنی میں خالق کے نبی اور خلیفہ تھے (۱۳۴)۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بیان میں تو نص صریح موجود ہے کہ نبی کے خلیفہ ہونے سے خالق کی مراد یہ ہے کہ وہ خالق کے حکم کو اس کی مخلوق میں نافذ اور لاگو کریں۔ (۱۳۵)

پس خالق کی طرف سے پیغمبر دو حیثیتوں سے دنیا میں بھیجے جاتے تھے' ایک نبی اور دوسرا خلیفہ ہونے کی۔ پہلی حیثیت میں وہ خالق کے حکم کو اس کی مخلوق تک پہنچانے کے لیے واسطہ ہوتے ہیں جبکہ دوسری حیثیت میں وہ خالق کے حکم کو اس کی مخلوق کے مابین جاری وساری کرتے ہیں اور اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نبوت

اگر چہ ختم ہوگئی لیکن علم میں وراثت اور قوت میں خلافت جاری ہے (۱۳۶)۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ قرار دیا (۱۳۷)۔ ان کے بعد صحابہؓ نے حضرت عمر ؓ کو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا خلیفہ قرار دیا (۱۳۸)۔ پس خلافت اللہ کے نبی ﷺ سے خلفائے راشدین (632-661) کو منتقل ہوئی اور یہ دورِ خلافت' نبوت کے منہاج پر قائم تھا۔ (۱۳۹)

خلافت راشدہ سے یہ خلافت بنواُمیہ (661-750) کو منتقل ہوئی' جبکہ اس میں ملوکیت کی بھی آمیزش ہو چکی تھی۔ ملوکیت کی آمیزش کے باوجود نبی کریم ﷺ نے بنواُمیہ کے حکمرانوں کو خلفاء قرار دیا کیونکہ وہ خلیفہ کے منصب پر فائز تھے (۱۴۰)۔ بنواُمیہ (661-750) سے یہ خلافت بنوعباس (750-1517) نے اور ان سے عثمانی ترکوں (1517-1924) نے بزورِ شمشیر حاصل کی (۱۴۱)۔ 1924ء میں انگریزوں کی سازش کے سبب سے خلافت کا ادارہ ختم کر دیا گیا اور اس وقت سے اُمتِ مسلمہ میں اس ادارے کی بحالی کے لیے اسلامی تحریکیں برپا ہونا شروع ہوئیں۔

جس طرح ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی میں تمام انسان ایک ہی دین پر تھے' بالکل اسی طرح انتہاء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافتِ ارضی میں تمام انسان ایک ہی دین پر ہوں گے (۱۴۲)۔ بہر حال یہ تو خالق کا ''تکوینی امر'' ہے جو پورا ہو کر رہنے والا ہے جبکہ ''امرِ شرعی'' یہ ہے کہ ابتداء اور انتہاء کے درمیان کی مدت میں خالق کے مؤمن بندے خالق کے دین کی حفاظت' فروغ اور غلبہ کے لیے دعوت و جہاد کا کام کریں (۱۴۳)۔ اللہ عزوجل اس دنیا میں اپنے بندوں پر ''حجت'' قائم کرتے ہیں تاکہ قیامت والے دن ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے (۱۴۴)۔ یہ حجت دو طرح سے قائم ہوتی ہے' ایک رسول کی دعوت سے اور دوسرا خالق کی کتاب سے (۱۴۵)۔ محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں' لہٰذا آپ ﷺ کی رحلت کے بعد قیامت تک کے لیے خالق کے بندوں پر خالق کی کتاب کو ''حجت'' بنایا گیا۔ (۱۴۶)

مشرکین ہوں یا اہلِ کتاب' دونوں کے بارے میں اللہ کی کتاب کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ یا تو اسلام قبول کریں یا پھر جزیہ دے کر رہیں (۱۴۷)۔ اللہ کے رسول ﷺ مشرکین عرب کے مقابلہ کے لیے جب بھی صحابہ کرام ؓ کا کوئی لشکر روانہ کرتے تھے تو انہیں تین چیزوں اسلام' جزیہ یا قتال کی دعوت دینے کی نصیحت فرماتے (۱۴۸)۔ مشرکین اور اہلِ کتاب کو مفتوح و مغلوب کرنے کی غرض سے ''جہاد کا حکم'' قیامت تک کے لیے باقی ہے (۱۴۹) جبکہ ان پر جزیہ عائد کرنے کا حکم نزولِ مسیح ابن مریم علیہ السلام تک قائم رہے گا۔ (۱۵۰)

جہاد و قتال کی حکمت اسلام میں ایک ہی ہے اور وہ ''ظلم و عدوان'' کا خاتمہ ہے (۱۵۱)۔ اور اس کی دلیل نص صریح ہے (۱۵۲)۔ قرآن مجید میں بظاہر جن منضبط اوصاف کی بنیاد پر جہاد و قتال کا حکم دیا گیا ہے وہ دراصل ''ظلم و عدوان'' ہی کی صورتیں ہیں۔ اسلام ''ظلم و عدوان'' کی کسی صورت کو کسی طور برداشت نہیں کرتا' چاہے اہل ایمان پر ہو خواہ انسانوں پر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ''ظلم و عدوان'' کے خاتمہ کے لیے ظالموں کے خلاف قتال کو مشروع قرار دیا ہے' چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ (۱۵۳)

اب اگر سوال یہ ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مشرکینِ عرب، یہود عرب، اہل فارس اور اہل روم سے جہاد وقتال کیوں ہوا؟ اور اگر ''اتمامِ حجت'' وجہ نہیں تھی (۱۵۴) تو اس جہاد و قتال کی کیا وجہ تھی؟ تو اس جہاد وقتال کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ''ظلم وعدوان'' ہے' جیسا کہ ہم بیان کر چکے' چاہے یہ ظلم ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر کرے یا ایک انسان دوسرے انسان پر کرے۔ آپ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مشرکین عرب' اہل کتاب اور اہل فارس نے اپنے مذہبی عقائد کی روشنی میں جو ایک ظالمانہ اور استحصالی اجتماعی یا ریاستی نظام قائم کر رکھا تھا' دراصل اس ظالم اور استحصالی ریاست کے خلاف جہاد وقتال کیا گیا ہے (۱۵۵)۔ پس ایک اسلامی ریاست کی اقوام عالم کے حوالہ سے دو خارجی ذمہ داریاں ہیں: ایک عالم دنیا تک پیغام رسالت کو پہنچانا اور دوسرا عالم دنیا سے ظلم کا خاتمہ۔ پہلی ذمہ داری کے لیے دعوت وتبلیغ کے عمل کو ریاست کی سرپرستی حاصل ہو گی' جبکہ دوسری کے لیے جہاد وقتال کو ریاست کی بنیادی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے (۱۵۶) بشرطیکہ ریاست اس کی اہلیت رکھتی ہو اور خارج میں حالات اس کی اجازت دیتے ہوں۔

(۴) ایمان اور اخلاق (Belief and Ethics)

اسلام دینِ فطرت ہے کہ ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے اور اس کے والدین اسے یہودی' عیسائی یا مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں (۱۵۷)۔ ایمان محض اندھے یقین (blind faith) کا نام نہیں بلکہ ایک تجربہ (experiment) ہے۔

مخلوق کافر اور مؤمن میں تقسیم ہے (۱۵۸)۔ خالق کی نظر میں کافر اور مؤمن برابر نہیں ہیں (۱۵۹)۔ اس کی نظر میں کافر بدترین انسان اور مؤمن بہترین انسان ہیں (۱۶۰)۔ کافر حربی کا حکم قتل (۱۶۱)' ذِمّی کا جزیہ (۱۶۲)' مستامن کا امن (۱۶۳) اور معاہد کا صلح (۱۶۴) ہے۔ مومن کے لیے کافر سے تعلق ولایت حرام (۱۶۵) جبکہ تقیہ (۱۶۶)' انصاف (۱۶۷)' حسن سلوک (۱۶۸) اور معاملہ (۱۶۹) جائز ہے۔ اسلامی ریاست میں مؤمن اور کافر کے حقوق برابر نہیں ہیں۔ (۱۷۰)

دینِ فطرت میں ''اسلام'' ظاہر' ''ایمان'' باطن اور ''احسان'' دونوں کی تکمیل کا نام ہے (۱۷۱)۔ اسلام میں داخل ہونے کے لیے کلمہ شہادت کا اقرار ضروری ہے (۱۷۲) جبکہ کفر اکبر یا شرکِ اکبر کے ارتکاب سے ایک شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے (۱۷۳)۔ کسی کلمہ گو کی ''تکفیر'' گناہِ کبیرہ ہے (۱۷۴) اور معین کی تکفیر اس وقت جائز ہو گی جبکہ کبار اور عادل اہلِ علم کی جماعت کا اس پر اتفاق ہو جائے (۱۷۵)۔ ''کفر دون کفر'' گناہ کبیرہ ہے نہ کہ ''خارج عن الملة'' (۱۷۶)۔ ایک شخص میں اسلام وکفر (۱۷۷)' ایمان ونفاق (۱۷۸) اور اطاعت ومعصیت جمع ہو سکتے ہیں۔ (۱۷۹)

عمل سے ایمان میں کمی بیشی ہونا حق ہے (۱۸۰)۔ اور ہم معین شخص کے بارے میں نہ جنت کی شہادت دے سکتے ہیں اور نہ ہی جہنم کی گواہی (۱۸۱)۔ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا وہ جنت میں ضرور داخل ہو گا اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جہنم میں ضرور داخل ہو گا۔ (۱۸۲)

اخلاق انسان کی باطنی صورت ہے کہ اچھی ہو تو اسے حسنِ خلق کہتے ہیں۔ افعال کا حسن وقبح عقلی ہے (۱۸۳)

(باقی صفحہ 76 پر)